سید طاہر حسین*

پریم چند: فکری جہات اور اسلوبی بصیرت

PEMCHAND'S INTELLECTUAL ORIENTATIONS AND STYLISTIC AESTHETICS

Abstract: *This study analyzes the intellectual and stylistic contributions of Premchand, a key figure in Urdu and Hindi fiction. It highlights how his personal experiences and social awareness shaped his themes of class struggle, rural hardship, and moral conflict. Known for his simple yet psychologically rich and realistic narrative style, Premchand evolved from early romanticism to mature social realism. Through critical analysis of his major works, the paper argues that Premchand redefined South Asian fiction by blending ideological depth with artistic excellence, leaving a lasting impact on literary discourse.*

Keywords: *Premchand; Urdu Fiction; Social Realism; Intellectual Dimensions; Stylistic Insight; Narrative Technique; Class Struggle; Progressive Thought; Literary Criticism*

تلخیص: یہ مطالعہ پریم چند کی فکری جہات اور اسلوبی بصیرت کا جائزہ لیتا ہے، جو اردو اور ہندی افسانے کے اہم بانیوں میں سے ایک ہیں۔ اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان کے ذاتی تجربات اور سماجی شعور نے طبقاتی کشمکش، دیہی زندگی، انسانی دکھ، اور اخلاقی کشمکش جیسے موضوعات کو کس طرح ان کے افسانوی ادب کا مرکز بنایا۔ پریم چند کا اندازِ بیان سادہ، نفسیاتی گہرائی کا حامل اور حقیقت پسند ہے، جو انصاف، سچائی اور انسانی وقار سے ان کی وابستگی کا مظہر ہے۔

تحقیق میں ان کے نمایاں افسانوں اور ناولوں کے تنقیدی مطالعے کے ذریعے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پریم چند نے نظریاتی وضاحت کو فنی خوبصورتی سے ہم آہنگ کر کے برصغیر کی افسانوی روایت کو ایک نئی جہت دی۔ ان کا کام آج بھی انسانی حالتِ زار کا مؤثر عکاس ہے اور جنوبی ایشیائی ادبی مباحث پر اثر انداز ہو رہا ہے۔

کلیدی الفاظ: پریم چند؛ اردو افسانہ؛ سماجی حقیقت نگاری؛ فکری جہات؛ اسلوبی بصیرت؛ بیانیہ تکنیک؛ طبقاتی کشمکش؛ ترقی پسند فکر؛ ادبی تنقید۔

انسان کی ذات اپنے اندر کتنے ہی رنگ، کتنی ہی پرتیں اور کتنی ہی متضاد کیفیات سمیٹے ہوتی ہے، مگر ان بے شمار روپوں میں ہمیشہ ایک ایسا پیکر ضرور ابھرتا ہے جو باقی تمام نقشوں پر اپنی گہری چھاپ چھوڑ جاتا ہے۔ منشی پریم چند کی شخصیت کو اگر اس زاویے سے دیکھا جائے تو ہمیں ان کی ذات میں سب سے روشن چہرہ انسان دوستی کا نظر آتا ہے؛ ایسا زاویہ جو ان کی پوری شخصیت کو منور کر دیتا ہے۔

* فلائٹ لیفٹیننٹ، پی اے ایف کالج، مری۔

پریم چند کی انسان دوستی کسی خاص طبقے، کسی مخصوص مذہب یا کسی محدود معاشرتی دائرے تک مقید نہیں تھی۔ وہ انسان کو اس کے جوہر، اس کے دکھ، اس کی پیاس، اس کی محرومی اور اس کی جدوجہد کے آئینے میں دیکھتے تھے۔ ان کے نزدیک انسان پہلے انسان تھا— بعد میں کوئی اور شناخت رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں ہندو، مسلمان، دلت، غریب، امیر—سب اپنے اپنے دکھوں کے ساتھ یکساں وقار کے ساتھ ابھرتے ہیں۔

زندگی کے نشیب و فراز، غربت کے کرب، معاشرتی ناہمواریوں کا مشاہدہ اور انسان کے دُکھ کی گہری آگہی نے پریم چند کے شعور کو پختہ بھی کیا اور اُنھوں کے اندر ایک ایسا حساس فنکار بھی تراشا جو زمانے کی تلخیوں سے آنکھ نہیں چراتا بلکہ اُنھیں اپنے فن کے کینوس پر پوری سچائی کے ساتھ ثبت کرتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کا یہ شعور نہ صرف گہرا ہوتا گیا بلکہ اُن کی شخصیت میں ایک ایسی ٹھہراؤ، گہرائی اور انسانی محبت پیدا کرتا گیا جو آج بھی اُن کے فن کی سب سے نمایاں پہچان ہے۔

پریم چند کے ہاں انسان دوستی محض ایک جذبہ نہیں بلکہ ایک عہد بن گئی تھی—انسان کو انسان ماننے کا عہد، اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے کا وعدہ، اور اس کے لیے ایک بہتر دنیا کا خواب دیکھنے کی لگن۔ یہی وہ وصف ہے جو اُنھیں اپنے عہد کا نہیں بلکہ ہر زمانے کا ادیب بناتا ہے۔

پریم چند کی شخصیت میں جو وسعتِ نظر، جو انسان دوستی اور جو زندگی کی تلخ حقیقتوں کا گہرا ادراک دکھائی دیتا ہے، وہ محض ایک ادبی وصف نہیں بلکہ اُن کے بچپن، معاشرتی ماحول، گھریلو پس منظر اور ابتدائی تجربات کا نچوڑ ہے۔ انسان جس تہذیبی اور خاندانی فضا میں پروان چڑھتا ہے، اس کی شخصیت بھی اسی مٹی سے اپنے اخلاقی اور جذباتی عناصر حاصل کرتی ہے۔ پریم چند کے ہاں یہی عناصر آگے چل کر تخلیقی قوت بنے۔

اگر ہم پریم چند کی ابتدائی زندگی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد عجائب لال محکمۂ ڈاک میں ملازم تھے۔ آٹھ برس کی عمر میں والدہ کے انتقال کے بعد والد نے دوسری شادی کر لی۔ پریم چند نے ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم مقامی مولوی سے حاصل کی۔ بعد ازاں والد کے تبادلے پر وہ گورکھپور میں چھٹی جماعت میں داخل ہوئے اور گھریلو مشکلات کے باوجود صبر اور ایثار سے تعلیم جاری رکھی اس دور۔ کی روایت کے مطابق اُنھوں نے ابتدا میں عربی و فارسی ایک مولوی صاحب سے پڑھی، جس سے اُن کی زبان، بیان اور تہذیبی شعور میں وہ گہرائی پیدا ہوئی جو بعد میں اُن کی تحریروں کا حسن بنی۔ والد کا تبادلہ گورکھپور ہوا تو پریم چند وہاں اسکول کی چھٹی جماعت میں داخل ہوئے۔ سوتیلی ماں کی ناگواری، گھر کے حالات کی سختی اور بی بی کی خدمت کے سلسلے میں لگاتار مشقت نے پریم چند کے بچپن کو اگرچہ آزمائش میں ڈالا۔(۱) لیکن انہی تجربات نے اُن کے اندر انسان کے درد کو سمجھنے کی جو قوت پیدا کی، وہی اُن کی انسان دوستی کی بنیاد بنی۔

یہی وہ وقت تھا جب زندگی نے اُنھیں نہ صرف پختہ کردار کا حامل بنایا بلکہ مشاہدے کی وہ قوت بھی عطا کی جس نے آگے چل کر اُنھیں ہندوستانی سماج کے سچے اور بے خوف ترجمان کا درجہ دیا۔ اُن کے دل میں انسان کے لیے جو محبت، دکھ درد رکھنے والوں کے لیے جو موم سی نرمی اور ظلم کے خلاف جو فطری بغاوت پیدا ہوئی، وہ انہی ابتدائی صدمات اور تلخیوں کا روشن نتیجہ تھی۔ اس لیے پریم چند کی انسان دوستی محض ادبی سرشتہ نہیں، بلکہ اُن کی زندگی کے ہر موڑ، ہر تجربے اور ہر محرومی کے ساتھ جڑی ہوئی ایک گہری داخلی صداقت ہے۔ پریم چند کی عملی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی روزگار کے لیے کوششیں اور پھر ادبی زندگی کا آغاز یوں ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

> "۱۸۹۹ء میں ایک پرائمری اسکول میں نائب مدرس ہوئے اور اٹھارہ روپے ماہوار پانے لگے۔ ۱۹۱۹ء میں بی اے کرنے اور تدریسی ڈگری حاصل کرنے کے بعد الہ آباد اور کان پور کے مدارس میں پڑھایا۔ ۱۹۰۹ء میں سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو کر مہوبہ ضلع ہمیر پور بھیجے گئے اس سے پہلے "زمانہ "کانپور کے بے ضابطہ اسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت حاصل کر چکے تھے۔ پریم چند نے ایک اور خاتون شیورانی (کم سن بیوہ) سے شادی کی۔ شورانی کی کتاب (پریم چند گھر میں) اور ڈاکٹر قمر رئیس کے مضمون (پریم چند) کی زندگی میں رومانی عناصر سے ظاہر ہوتا ہے کہ پریم چند کے جذباتی تعلقات ایک اور خاتون سے بھی تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں بستی اور گورکھپور رہے۔ گاندھی جی کی تقریر سے متاثر ہوئے تو ۱۵ فروری ۱۹۲۱ء کو سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ مریادا ہنس، جاگرن اور مادھوری کی ادارس سے وابستہ ہوئے وفات سے دو برس پہلے اجنا سینے ٹون بمبئی سے معاہدا ہوا اور مل مزدور نامی فلم بنے لگے جو سنسر کی نظر ہو کر غریب مزدور کے نام سے فلاپ ہوئی۔ ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء کو ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس کی صدارت کی اور ان کا خطبہ صدارت اردو کی یادگار تحریروں میں سے ہے افسانوں کے علاوہ ناول بھی ان کی ادبی شہرت کے ضامن ہیں۔ جن میں بیوہ نرملا، میدان عمل، چوگان ہستی، گوشہ عافیت میں، اور گئودان نمایاں ہیں،"(۲)

پریم چند کی عملی زندگی میں جس طرح تدریس، صحافت اور سرکاری خدمت نے ایک ساتھ جلوہ دکھایا، اسی طرح ان کے اندر کا فنکار بھی رفتہ رفتہ نئے تجربات سے گزر کر بالغ ہوتا گیا۔ ابتدائی ملازمتیں اگرچہ معمولی حیثیت کی تھیں، مگر وہیں سے انھوں نے انسانوں سے براہِ راست تعلق، متوسط طبقے کی جدوجہد اور تعلیمی نظام کی کمزوریاں قریب سے دیکھیں—یہ مشاہدات بعد میں ان کی حقیقت نگاری کے بنیادی ستون بنے۔ تدریسی اسناد کے حصول اور مختلف شہروں کے تعلیمی اداروں میں ذمہ داریاں سنبھالنے سے انہیں ہندوستانی سماج کی تہہ در تہہ پیچیدگیوں کو سمجھنے کا موقع ملا۔ اس دوران صحافتی سرگرمیوں نے ان کے اندر وہ بیباکی پیدا کی جو ایک سچے ادیب کی شناخت ہوتی ہے۔

ذاتی زندگی کے جذباتی اتار چڑھاؤ نے بھی ان کی شخصیت کو گہرائی عطا کی۔ گھریلو تجربات ہوں یا انسانی رشتوں کی الجھنیں—ہر واقعہ نے ان کے اندر کے فنکار کو نرم بھی کیا اور حقیقت پسند بھی۔ مختلف شہروں میں گزرنے والے برسوں نے انہیں ہندوستان کے سماجی

نقشے سے روشناس کیا، اور پھر ایک ایسے موقع پر جب ملک کی آزادی کی تحریک نے شدت اختیار کی تو پریم چند کا ضمیر انہیں ایک نئے راستے کی طرف لے گیا۔ انھوں نے سرکاری آسودگی کو چھوڑ کر عوام کے حق کے لیے کھڑا ہونے کا فیصلہ کیا—یہ فیصلہ ان کے اخلاقی حوصلے اور انسان دوستی کے گہرے شعور کا اعلان تھا۔

آزادی کی تحریک کے اس ماحول میں ان کا قلم مزید شدت سے سماجی ناہمواریوں، معاشی جبر اور طبقاتی تقسیم کے خلاف آواز بن کر ابھرا۔ مختلف ادبی جرائد سے وابستگی نے انھیں فکری تحریکوں کے قریب کیا، اور یہی قربت آگے چل کر ترقی پسند فکر کے ساتھ ان کی نظریاتی ہم آہنگی کا سبب بنی۔ ادبی دنیا میں ان کے قدم نہ صرف افسانے اور ناول تک محدود رہے بلکہ فلم اور عوامی ذرائع اظہار تک بھی پہنچے، اگرچہ ہر تجربہ کامیاب نہیں ہوا، مگر ہر قدم نے ان کے فن کو ایک نیا زاویہ ضرور عطا کیا۔

ان کے آخری برسوں میں وہ اپنی فکری جدوجہد کے عروج پر تھے—ایک ایسا ادیب جو سماج کے دکھ کو اپنی ذات میں محسوس کر کے لکھتا تھا، اور جس کے نزدیک ادب کا مقصد صرف جمالیاتی لذت نہیں بلکہ انسان کو بیدار کرنا تھا۔

منشی پریم چند دیہاتی زندگی سے محبت کرنے والے انسان تھے، اور خاص طور پر ان میں بسنے والے انسانوں سے۔ ہندوستانی معاشرہ ایک جاگیر دارنہ معاشرہ تھا، اور ایسے معاشرے میں انسان کی روح کو بری طرح کچلا جاتا ہے۔ اگرچہ کہ پریم چند سادی طبیعت اور ایک بااصول شخصیت کے مالک تھے، لیکن ان میں بسنے والی روح ہر وقت بے چین سی رہتی تھی اسی لیئے وہ آزادی خیال کے قائل تھے۔ غور فکر کرنا اور حوصلہ مندی سے جینا، یہی ان کی زندگی کا ایک بنیادی نصب العین تھا۔ مذہب کے نام پر جس طرح لوگوں کو بیوقوف بنایا جاتا، یا ذات پات کے رواج نے لوگوں کے ذہنوں کو جہالت کے اندھیرے میں ڈبو دیا ہے، ان سب انسان دشمن عناصر کی سختی سے مخالفت کی۔ قوموں کے عروج وزوال کو سمجھا اور اس کے اثرات کو محسوس کیا۔

> "۱۹۱۹ء میں جلیاں والے باغ کا ایک بھیانک قتل عام، کہ جس نے برصغیر میں ایک آگ سی لگادی، پریم چند کے دل میں اس آگ کی تپش اٹھنی ایک قدرتی بات تھی۔ اس کے رد عمل میں پریم چند نے اپنی نوکری تک چھوڑ دی۔ پریم عورت کی عزت کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ ہندوستانی معاشرہ بھی عورت کی عزت کرنا سیکھے۔ اس کے لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داری کو بھی محسوس کرانا چاہتے تھے۔ پریم چند کے نزدیک ایک چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی بعض دفعہ بڑے سے بڑے انعام کی حقدار ٹھرتی ہے۔ غرض "انھوں نے زندگی اس قدر مصروف گذاری اور پوری زندگی غم دوراں کا اس قدر شکار رہے کہ غم جاناں سے دوچار ہونے کا موقع ہی نہ ملا"(۳)

پریم چند کی فکری بلوغت اور سماجی شعور اس وقت مزید نکھر کر سامنے آیا جب قوم پر ایک ہولناک سانحہ آیا جس نے ہر حساس دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس واقعے نے نہ صرف برصغیر کی سیاست کو نئی جہت دی بلکہ پریم چند کی روح کو بھی بے چین کر دیا۔ اس بے چینی

نے انہیں آسودہ ملازمت چھوڑ کر قوم کے دکھ میں شریک ہونے کی طرف مائل کیا۔ وہ عورت کی عزت اور وقار کے محض حامی ہی نہیں تھے بلکہ چاہتے تھے کہ معاشرہ بھی اس شعور تک پہنچے کہ عورت کا مقام برابر کا ہے—اور یہ برابری تعلیم، شعور اور ذمہ داری کے احساس سے جنم لیتی ہے۔ پریم چند کے نزدیک نیکی خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، اس کی قدر اپنے اثرات سے پہچانی جاتی ہے۔ ان کی پوری زندگی سماجی جدوجہد، عوامی دکھ درد اور زمانے کی ناہمواریوں کے ساتھ گزر گئی۔ وہ اتنے بڑے غموں اور بڑے سوالات سے دوچار رہے کہ ذاتی محبتوں، رومانوی آسودگیوں اور غمِ جاناں کی طرف کبھی دل موڑ ہی نہ سکے؛ ان کی زندگی کا مرکز ہمیشہ غمِ دوراں رہا۔

ذہنی طور پر پریم چند ہمیشہ ایک ارتقائی سفر سے گزرتے رہے۔ بدلتے ہوئے ہندوستانی حالات نے جہاں انہیں بے شمار تلخ تجربات سے دوچار کیا، وہیں ان کی نگاہوں کے سامنے امید کی نئی کرنیں بھی پھوٹتی رہیں۔ یہی تضاد—درد اور امید کا سنگم—ان کی شخصیت کو گہرائی اور وسعت عطا کرتا ہے۔ پریم چند کے ہاں محبت اور انسانیت یوں باہم گندھی ہوئی نظر آتی ہیں کہ دونوں کو الگ کرنا ممکن نہیں رہتا۔ وہ انسان کو اس کے دکھ، اس کے ماحول اور اس کے طبقاتی پس منظر سمیت دیکھتے تھے، اس لیے ان کے فن میں جذباتی صداقت بھی ملتی ہے اور سماجی شعور بھی۔

اگر ہم پریم چند کی شخصیت اور فن کی حقیقی قدر و قیمت سمجھنا چاہیں تو ہمیں ان کے بارے میں سطحی یا خوش فہمی پر مبنی تاثرات سے اوپر اٹھ کر دیکھنا ہو گا۔ ان کا مقام کسی جذباتی عقیدت کا محتاج نہیں بلکہ ان کی فکری گہرائی، دیانت، انسان دوستی اور حقیقت نگاری کے معیار سے طے ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے دور کے سماج کو جس سچائی کے ساتھ دیکھا اور پیش کیا، اس نے اردو اور ہندی ادب دونوں پر ایسے انمٹ نقوش چھوڑے جنہیں وقت کی گرد بھی مٹا نہیں سکتی۔ پریم چند صرف ایک ادیب نہیں تھے؛ وہ ایک دور کی آواز، ایک عہد کی علامت اور انسان کے لیے انصاف کی مسلسل پکار تھے۔

پریم چند کے مشہور افسانے "کفن" میں انسانی ضمیر کی بیداری اور سماجی ظلم کا گہرا تضاد سامنے آتا ہے۔ افسانے میں پیش کیا گیا کردار اپنے عمل میں شدید غربت، محرومی اور بے بسی کا اتنا عادی ہو چکا ہے کہ اخلاقی قدریں اس کے لیے محض ایک غیر عملی تصور بن جاتی ہیں۔ پریم چند اس افسانے کے ذریعے یہ دکھاتے ہیں کہ سماج میں بعض لوگ اپنی حرص و ہوس کو چھپانے کے لیے مذہبی رسومات، مندر، گنگا اور پاپ دھونے کی آڑ لیتے ہیں، مگر اصل پاکیزگی اُس غریب اور بے گناہ روح میں ہوتی ہے جو کبھی کسی کو دکھ نہیں دیتی۔ یہی وہ طنز ہے جو "کفن" کو انسان دشمن نظام پر ایک کاری ضرب بنا دیتا ہے۔

"حجِ اکبر" میں پریم چند نے ایک ایسا منظر تراشا ہے جہاں ماں کا قربان کیا ہوا خواب، باپ کی تسلی اور بچے کا سادہ معصوم ردعمل مل کر محبت کا سہ جہتی نقشہ بناتے ہیں۔ افسانہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ بعض اوقات مذہبی عبادات سے بھی زیادہ بڑا عمل انسان کی

دلجوئی، اس کی خدمت اور اس کے دکھ کو بانٹ لینا ہوتا ہے۔ پریم چند نے اس افسانے میں عورت کی خواہش، ممتا کی تڑپ اور مرد کی بصیرت کو اس طرح جوڑا ہے کہ قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اصل حج تو وہی ہے جس میں انسان دوسرے انسان کے لیے قربانی دے۔

افسانے "دودھ کی قیمت" میں پریم چند نے غربت کی اس اذیت کو بیان کیا ہے جس میں انسان کی بھوک اس کی خودداری کو بھی پیچھے دھکیل دیتی ہے۔ شام ڈھلتے ہی کردار جس طرح بھوک کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے، وہ زندگی کی سفاک حقیقت کو پوری شدت سے ظاہر کرتا ہے۔ ساتھ ہی ایک جانور کا رویہ — جیسے وہ یہ سکھا رہا ہو کہ ذلت زندگی کا ناگزیر حصہ ہے — انسانی سماج کی حقیقت پر طنز بن جاتا ہے۔ *دودھ کی قیمت* صرف بھوک کی کہانی نہیں، یہ انسان اور حیوان کے درمیان اس بنیادی وحدت کی علامت بھی ہے جس کا سب سے بنیادی محرک بقا ہے۔

"بوڑھی کاکی" پریم چند کی انسان دوستی اور جذباتی نفسیات پر غیر معمولی گرفت کا ثبوت ہے۔ افسانے میں ایک معمر عورت اور ایک معصوم بچی کے درمیان جو محبت اور آسرا پیدا ہوتا ہے، وہ اس بات کا اظہار ہے کہ محبت ہمیشہ طاقت ور سے نہیں بلکہ کمزور سے زیادہ وابستہ ہوتی ہے۔ بچی کا اپنی کمزوری کے باوجود کاکی کے قریب رہنا اور بھائیوں کے ظلم سے پناہ لینا اس رشتے کو اور زیادہ مقدس بنا دیتا ہے۔ پریم چند نے یہاں دکھایا ہے کہ ظلم کے ماحول میں بھی ہمدردی کے ننھے چراغ اپنی پوری روشنی کے ساتھ جلتے ہیں۔

'افسانہ *"ادیب کی عزت"* ' میں پریم چند ایک ادیب کی داخلی کشمکش اور اس احساس کا بیان کرتے ہیں کہ ادبی تخلیق محض ایک مشغلہ نہیں بلکہ ایک عبادت ہے۔ کردار یہ جان لیتا ہے کہ انسان کا اصل وقار اس کی تخلیق، اس کی روشنی اور اس کے اثر میں ہے۔ ادیب کا یہ اعتراف کہ اس کا جھونپڑا ہی اس کے لیے جنت ہے، اس بات کی علامت ہے کہ فن کی اصل عظمت باہر نہیں بلکہ اندر سے جنم لیتی ہے۔ *ادیب کی عزت* پریم چند کے اپنے فکری مقام کو بھی واضح کرتی ہے — کہ قلم اگر سچائی کی روشنی رکھتا ہو تو وہ زندگی کے اندھیروں میں بھی چراغ بن سکتا ہے۔

ان پانچوں افسانوں کا مجموعی مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ پریم چند کا فن ایک ہی رخ کا نہیں بلکہ کثیر الجہتی ہے۔ کہیں وہ بھوک اور معاشی جبر پر بات کرتے ہیں، کہیں انسانی خدمت کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں، کہیں محبت اور معصومیت کا سہارا دکھاتے ہیں اور کہیں فن کے تقدس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ سب زاویے مل کر اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ پریم چند کا اصل سرمایہ انسان ہے، اور انسان کے دکھ کو زبان دینا ہی ان کے فن کا بنیادی نصب العین۔

پریم چند کی فطرت میں جو سادگی پائی جاتی تھی، وہ محض ظاہری معصومیت نہیں بلکہ ایک ایسے درد مند دل کی آئینہ دار تھی جو انسان کے دکھ کو اپنے وجود کا حصہ بنا لیتا ہے۔ وہ دیہاتی زندگی کے بہت قریب رہے اور اسی نزدیکی نے انہیں انسانی نفسیات، فطرت کے تقاضوں اور معاشرتی حقیقتوں کی باریکیوں تک رسائی دی۔ زمانے کی تغیر پذیری کو انہوں نے بہت پہلے محسوس کر لیا تھا، اسی لیے ان کی

کہانیوں کا سفر وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا بھی رہا اور گہرا بھی ہوتا گیا۔ ان کے نزدیک سچائی محض اخلاقی قدر نہیں بلکہ پوری کائنات کی بنیاد تھی—اور یہی بنیاد ''کفن''، ''حج اکبر'' اور ''صرف ایک آواز'' جیسے افسانوں میں زندگی کے بے رحم تضادات کو بے نقاب کرتی ہے۔

پریم چند نے کبھی روحانیت یا جذباتیت کو حقیقت پر غالب نہیں آنے دیا۔ اگرچہ ان کے بعض افسانوں میں غیر معمولی یا غیر فطری پہلو جھلکتے ہیں، مگر وہ کبھی سماجی حقیقت کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے۔ وہ زندگی کے ہر جز کو ایک ایسی شائستگی سے بیان کرتے ہیں کہ کہیں جذبے کی شدت محسوس ہوتی ہے تو کہیں انسانی احساسات کی لطافت۔ ''دودھ کی قیمت''، ''بوڑھی کاکی'' اور ''خون سفید'' اسی جذباتی اور سماجی فضا کے روشن نمونے ہیں۔

زندگی کے کچھ مرحلے ذہنی کشمکش، بے مقصدیت اور مایوسی سے عبارت ہوتے ہیں، اور معاشرتی زوال انسان کو اس کی اصل انسانیت سے محروم کرنے لگتا ہے۔ پریم چند نے اس کرب کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ ''تحریک''، ''ادیب کی عزت'' اور ''ہولی کی چھٹی'' میں وہ فرد کی اس اندرونی ٹوٹ پھوٹ اور سماج کے جبر کو نمایاں کرتے ہیں جو انسان کو اپنے وجود سے دور لے جاتی ہے۔ ان کا تخلیقی سفر دراصل زندگی کے ہر گوشے کو دریافت کرنے کی مسلسل کوشش ہے—کہیں یہ تلاش خوشگوار تجربات پر مشتمل ہے اور کہیں غم، محرومی اور اداسی کے لمحات پر؛ مگر پریم چند ہر صورت انسان کے قریب رہتے ہیں، اس کے دکھوں کے ساتھ اور اس کی امیدوں کے ساتھ۔

> ''پریم چند کی ابتدائی زندگی کے اثرات اُن کے فن پر واضع اور گہرے اثرات نظر آتے ہیں، زندگی کے تلخ تجربات بچپن کی محرومیوں نے پریم چند کو تخیل پرست بنا دیا تھا۔ پریم چند ابتدائی زندگی میں ہی کہانیوں اور داستانوں کی سحر انگیزی، تخیلاتی عنصر، مہم جوئی اور تجسس کے اسیر ہو گئے تھے۔ بچپن میں طلسم ہوش رُبا کے طلسم اور انگزیزی ناول نگار رینالڈ کے اردو میں ترجمہ شدہ رومان و مہم جوئی کے حامل ناول کے مطالعے سے ہمیشہ کے لیے ہے افسانہ و ناول کے فسوں کے اسیر ہو گئے۔ پریم چند نے مسلسل شوق، مطالعے اور ریاضت سے افسانہ نگاری کا ہنر سیکھا۔ پری چند کی افسانہ نگاری کا ارتقاء اردو افسانہ نگاری کا ارتقاء ہے اور یہ قدم بہ قدم ساتھ ساتھ آگے بڑھتا نظر آتا ہے۔''(۴)

پریم چند کے فن کی جڑیں ان کی ابتدائی زندگی کی تلخیوں، محرومیوں اور ابتدائی مطالعے کی دنیا میں گہرائی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بچپن کے حالات نے ان کے اندر ایک ایسی تخیلاتی دنیا آباد کر دی جس نے بعد میں ان کے فکری سفر کی بنیاد رکھ دی۔ کم سنی میں ہی وہ داستانوں، طلسماتی قصوں، رومان اور مہم جوئی پر مبنی کہانیوں کے سحر میں اس طرح گرفتار ہوئے کہ ادب کا یہ فسوں اُن کی شخصیت کا مستقل حصہ بن گیا۔ ''طلسم ہوش رُبا'' اور ''رینالڈ'' جیسے ناول نگاروں کی ترجمہ شدہ تخلیقات نے ان کی ذہنی ساخت میں تجسس، جستجو اور جذبۂ تخیل کو مرکزی مقام دے دیا۔ یہی عناصر آگے چل کر ان کے فن کے اندر حقیقت اور تصور کے ایک حسین امتزاج کی صورت میں نمایاں

ہوتے ہیں۔ پریم چند نے مسلسل مطالعے، مشاہدے اور ریاضت کے ذریعے افسانہ لکھنے کی وہ مہارت پیدا کی جس نے اردو افسانے کو ایک نئی سمت عطا کی۔ ان کا ارتقائی سفر دراصل اردو افسانے کی نشوونما کا سفر ہے—دونوں قدم بہ قدم آگے بڑھتے ہوئے، نئے موضوعات، نئے اسالیب اور نئی فکری جہات کو دریافت کرتے چلے گئے۔

> ''پریم چند پہلے ادیب ہیں جنہوں نے عوام کے زخموں پر ہاتھ رکھا اور ان پر مرہم لگایا۔ انھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے عوامی مسائل کا حل پیش کیا، اُن کا ہیرو ڈرائنگ روم اور محل سرا کی مہکتی ہوئی فضاؤں کا انسان نہیں ہے۔ اس نے عیش و آرام کی گود میں پرورش نہیں پائی، بلکہ وہ کھیت کی پر مشقت زندگی کا کسان اور دکھ درد میں زندگی بسر کرنے والا انسان ہے۔ انھوں نے ایک دفعہ کہا تھا، "میری خواہش ہے کہ میری شہرے ہر طرف پھیل جائے اور میں ایک داستان بن جاؤں۔" اِن کی یہ خواہش پوری ہوئی، جب تک اردو زبان زندہ ہے ان کی شہرت قائم رہے گی۔ اردو ادب میں وہ ایک ایسی داستان ہیں جو کبھی ختم نہیں ہو گی، اب تک میدانِ افسانہ میں کوئی سبقت ان سے نہیں لے جاسکا اور نہ آئندہ اُمید ہے۔''(۵)

یہ حقیقت انکار سے بالاتر ہے کہ پریم چند نے اردو اور ہندی ادب میں پہلی مرتبہ عوام کی زندگی کو نہ صرف اپنی کہانی کا مرکز بنایا بلکہ اُن کے دکھ کو اس شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ ان کا فن ایک اجتماعی ضمیر کی آواز بن گیا۔ اس اقتباس میں جس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، وہ دراصل پریم چند کی تخلیقی بصیرت اور فکری انقلاب کی بنیاد ہے۔ انہوں نے اپنے ہیرو کو محل سرا کی نازک فضا سے نکال کر دھوپ میں جلتے کھیتوں، مٹی سے اَٹے کچے گھروں، فاقہ زدہ بستیوں اور گرتے پڑتے انسانوں کے درمیان رکھا۔ ان کے کرداروں کی زندگی میں تکلفات نہیں، جدوجہد ہے؛ مصنوعی حسن نہیں، بے رحم حقیقت ہے؛ اور یہی وہ وصف ہے جو انہیں اپنے عہد کے دیگر ادیبوں سے ممتاز کرتا ہے۔

پریم چند کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ انہوں نے ادب کو بلند و بالا فلسفوں اور رومانوی الجھنوں سے نکال کر عوام کی دھڑکتی ہوئی زندگی سے جوڑ دیا۔ ان کے ہاں کسان، مزدور، دلت، بیوہ، مفلس باپ، مجبور ماں، بھوکا بچہ—یہ سب محض کردار نہیں بلکہ ایک عہد کی اجتماعی چیخ بن کر اُبھرتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے صرف کہانیاں نہیں لکھیں بلکہ معاشرتی مسائل کی تہہ تک اُتر کر حل بھی تجویز کیے، چاہے وہ طبقاتی ظلم کے خلاف احتجاج ہو یا سماجی انصاف کی خواہش۔

> ''پریم چند کی سماجی فکر مذہب اور قومیت کے دائروں کو توڑتی ہوئی طبقاتی جدوجہد اور زمینی رابطوں کے ایک ایسے شعور تک جا پہنچی ہء جو ہمارے حاضر کا تجزیہ بھی ہے۔ یہ تجزیہ آج تشدد کی جس زمین میں پیوست ہے، پتہ نہیں۔ پریم چند کا رویہ اس کی طرف کیا ہوتا؟ اس میں شک نہیں کہ بالآخر اُن کی تلاش نے ایک نیا مفہوم پالیا تھا۔ اور

ایک نئی سنگین، غیر رومانی اور گہری نئی قدر بھی اس مفہوم کا حصہ بن گئی تھی۔ مگر اُس وقت، جب پریم چند کا سانس اکھڑنے لگا تھا۔ سو اس شب چراغ کی روشنی بہت آگے تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکتی۔"(۶)

شمیم حنفی—جو جدید اردو تنقید کے معروف ناموں میں سے ہیں—پریم چند کی سماجی فکر کے بارے میں جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ نہ صرف ان کے بصیرت افروز نقطۂ نظر کی غمازی کرتی ہے بلکہ پریم چند کے فکری سفر کی اصل روح کو بھی بے نقاب کرتی ہے۔ شمیم حنفی واضح کرتے ہیں کہ پریم چند کا سماجی شعور مذہب، قومیت اور رومانیت کے تنگ دائروں میں محدود نہیں تھا؛ انہوں نے ان حدود کو توڑ کر انسان کی طبقاتی جدوجہد، معیشت کی پیچیدگیوں اور زمینی حقائق کی سطح پر سوچنے کا راستہ اختیار کیا۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں پریم چند کی فکر جدیدیت سے آگے بڑھ کر ایک ایسے تناظر میں داخل ہوتی ہے جو آج کے انسان کے مسائل سے بھی ہم آہنگ نظر آتا ہے۔

شمیم حنفی کا یہ سوال کہ اگر پریم چند آج کے تشدد زدہ دور کو دیکھتے تو اُن کا ردعمل کیا ہوتا—در حقیقت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پریم چند کا انسانی وژن جامد نہیں تھا بلکہ مسلسل حرکت، جستجو اور معنوی تلاش سے عبارت تھا۔ ان کی فکر آخری برسوں میں مزید سخت، زیادہ حقیقت پسند اور غیر رومانوی ہو چکی تھی۔ وہ معاشرتی نجات کے لیے اخلاقی اپیل سے آگے بڑھ کر ایک عملی اور بے لچک موقف کی طرف گامزن تھے۔ شمیم حنفی اسی تبدیلی کو "نئی قدر" قرار دیتے ہیں، یعنی وہ بصیرت جو نہ جذباتیت میں بہتی ہے اور نہ وقتی رومان کا شکار ہوتی ہے، بلکہ انسانی دکھوں کے غیر سطحی مطالعے سے پیدا ہوتی ہے۔

تاہم شمیم حنفی کا یہ کہنا کہ پریم چند کے "شب چراغ" کی روشنی بہت دور تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکتی، ایک خوبصورت مگر اداس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پریم چند اگرچہ اپنی زندگی ہی میں ایک بڑے ادیب کا درجہ پا چکے تھے، مگر ان کا ارتقائی سفر ادھورا رہ گیا۔ ان کی فکر کے وہ امکانات جو مستقبل میں مزید پھیل سکتے تھے، ان کی وفات نے روک دیے۔ اس تناظر میں شمیم حنفی کی بات ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ پریم چند کی انسان دوستی، سماجی حقیقت نگاری اور طبقاتی شعور کا راستہ اگر مزید آگے بڑھتا تو شاید ہماری ادبی اور سماجی تاریخ کا منظر نامہ مختلف ہوتا۔

یوں شمیم حنفی کا یہ اقتباس نہ صرف پریم چند کی عظمت کا اعتراف ہے، بلکہ ان امکانات کی طرف بھی اشارہ ہے جو اُن کی زندگی نے مہلت ملتی تو آگے بڑھا سکتی تھیں۔ پریم چند کی یہ "نئی قدر"—سچائی کی طرف بے خوف جستجو—آج بھی ہمارا سب سے روشن رہنما چراغ ہے۔

> "منشی پریم چند کی شخصیت اور ان کے افسانوں کا تعلق اسی طرح ہے کہ ایک بچہ جیسے جیسے بچپنے سے نوجوانی کی طرف بڑھتا ہے ویسے ویسے اس کا شعور بڑھتا جاتا ہے، اس طرح پریم چند کے افسانوں نے جیسے جیسے زمانے کے ساتھ وقت گزارا ویسے ویسے فن میں پختگی اور شعوری سطح بلند ہوتی گئی اور یہ شعور اور پختگی ان کی شخصیت پر اثر انداز ہونے لگی، اور اس طرح پریم چند کی شخصیت اور ان کے اسلوب میں ہم آہنگی پیدا ہوتی گئی۔"(۷)

پریم چند کے افسانے بھی اپنے ابتدائی سادگی بھرے مرحلے سے بڑھتے ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایسی سطح تک پہنچتے ہیں جہاں تجربے کی گہرائی، سماجی آگہی اور فنی پختگی واضح ہو جاتی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ پریم چند کے فن میں پیش رفت محض ادبی ارتقا نہیں بلکہ ان کی شخصیت کے اندر ہونے والی فکری تبدیلیوں کا عکس بھی ہے۔

پریم چند ابتدا میں داستانی فضا، تخیل اور رومان کا سہارا لیتے ہیں، لیکن جیسے جیسے زندگی کے تلخ تجربات، سماجی حقیقتوں کا بوجھ اور انسانی درد و الم سے قربت بڑھتی ہے، ان کے افسانے بھی سطحی تفنن سے نکل کر ایک سنجیدہ، واضح اور حقیقت پسند لحن اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا ارتقا اور فن کا ارتقا دو الگ رستے نہیں تھے—وہ ایک ہی دھارے کے دو بہتے ہوئے دھارے تھے جو آگے چل کر ایک مضبوط سنگم کی صورت بن گئے۔

پریم چند کے ہاں شخصیت اور اسلوب کی ہم آہنگی وقت کے ساتھ پیدا ہوئی۔ ابتدائی دور میں جو فنی خامی یا معصومیت محسوس ہوتی ہے، وہ دراصل اس بات کی علامت ہے کہ ادیب کی شخصیت خود اپنے تجربات کے ذریعے نکھر رہی ہے۔ جیسے جیسے ان کے مشاہدے کی دنیا وسیع ہوئی، ویسے ویسے ان کا فن بھی زیادہ حقیقت پسند، زیادہ بے باک اور زیادہ انسان دوست بنتا گیا۔ اس طرح پریم چند کا اسلوب اُن کی شخصیت سے الگ نہیں بلکہ اسی کا تسلسل ہے، اور یہی ان کی فکری دیانت اور فنکارانہ صداقت کی علامت ہے۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پریم چند کو سمجھنے کے لیے صرف ان کے افسانے کافی نہیں؛ اُن کی شخصیت، ان کی زندگی کے مراحل اور ان کے اندر ہونے والی فکری کشمکش کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اور یہ اقتباس بڑی خوبصورتی سے اسی ہم آہنگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

> ”مگر مایوس اور دل گرفتہ سنیاسی سوچ رہا تھا، افسوس! جس ملک کی روشنی میں اتنا اندھیرا ہے وہاں کبھی روشنی کا ظہور ہونا مشکل نظر آتا ہے، اس روشنی پر اس اندھیری، مردہ اور بے جان روشنی پر میں جہالت کو ترجیح دیتا ہوں۔ جہالت میں صفائی ہے، ہمت ہے، اس کے دل اور زبان میں پردہ نہیں ہوتا۔ نہ قول اور فعل میں اختلاف۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ علم جہالت کے سامنے سر جھکائے اس سارے مجمع میں صرف ایک شخص ہے، جس کے پہلو میں مردوں کا دل ہے اور گو اسے بیدار مغزی کا دعویٰ نہیں۔ لیکن اس کی جہالت پر ایسی ہزاروں بیدار مغزیوں کو قربان کر سکتا ہوں تب وہ پلیٹ فارم سے نیچے اترے اور درشن سنگھ کو گلے سے لگا کر کہا۔ "ایشور تمہیں پرتکیا پر قائم رکھے۔“(۸)

پریم چند کی شخصیت اور فن کا مطالعہ یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ وہ محض ایک بلند پایہ افسانہ نگار نہیں بلکہ ایک ایسی ہمہ جہت ادبی قوت تھے جنھوں نے اردو افسانے کے فکری اور اسلوبی دھاروں کو نئی سمت عطا کی۔ اُن کی زندگی اور تخلیقات کی پرتیں کھولنے سے ہر بار ایک تازہ تجربہ، ایک نیا شعور اور انسان دوستی کا ایک روشن زاویہ سامنے آتا ہے۔ دیہی زندگی کی حقیقتیں ہوں، طبقاتی جبر کی سفاکیاں یا

انسانی رشتوں کی لطافت ــــ پریم چند نے ہر موضوع کو نہ صرف غیر معمولی صداقت سے برتا بلکہ اس میں وہ فکری گہرائی اور اخلاقی وقار شامل کیا جو اُن کی تحریروں کو زمانے کی حدوں سے بلند کر دیتا ہے۔

"دنیا کا انمول رتن" سے "کفن" تک اُن کا تخلیقی سفر محض فن کی پختگی کا نہیں بلکہ فکری ارتقا، معاشرتی آگہی اور انسان دوستی کے مسلسل گہرے ہونے کا سفر ہے۔ اُنھوں نے اردو افسانے میں حقیقت، احساس، تجزیہ اور جمالیات کو اس مہارت سے یکجا کیا کہ اُن کا اسلوب آج بھی سماجی حقیقت نگاری کی ایک معتبر کسوٹی سمجھا جاتا ہے۔ پریم چند کی تخلیقات ہمیں یہ احساس دلاتی ہیں کہ ادب کا اصل کام انسان کی تکلیف کو آواز دینا، اس کے دکھ کو معنی عطا کرنا اور معاشرتی جمود کو چیلنج کرنا ہے۔

یوں پریم چند کا فن اور اُن کی شخصیت دونوں اردو افسانے کے آسمان پر ایک مستقل روشن چراغ کی مانند ہیں ــــ وہ چراغ جو ماضی کو بھی روشن رکھتا ہے اور مستقبل کے قاری کو بھی حقیقت، احساس اور انسان دوستی کی طرف رہنمائی بخشتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ۲۰۰۷ء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۳۶۴۔

۲۔ ایضاً، ص ۳۶۴۔

۳۔ فرزانہ گل، پریم چند بحیثیت افسانہ نگار، ۱۹۷۹ء، غیر مطبوعہ مقالہ، ایم اے اردو، مخزونہ، سیمینار لائبریری، شعبہ اردو، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ص ۲۱۔

۴۔ اورنگ زیب عالم گیر، ڈاکٹر، پریم چند تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ۲۰۰۵ء، سنگت پبلیشرز لاہور، ص ۹، ۱۰۔

۵۔ ظہیر الحسن جارچوی، پروفیسر، پریم چند افسانہ نگاری کا امام، مشمولہ، مجلہ: الماس، سوم چہارم مشترکہ شمارہ، ۲۰۰۱ء، ۲۰۰۲، ص ۱۰۱۔

۶۔ حنفی، شمیم، پریم چند کی حقیقت نگاری، مرتب مشرف احمد، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ،، ۱۹۸۶ء، نفیس اکیڈمی کراچی، ص ۶۶۔

۷۔ ظہیر الحسن جارچوی، پروفیسر پریم چند افسانہ نگاری کا امام، ص ۱۰۴۔

۸۔ منشی، پریم چند، صرف ایک آواز، مشمولہ: آصف نواز، ترتیب و انتخاب، پریم چند کے سو افسانے، چوہدری اکیڈمی، لاہور، سن ندارد، ص ۱۵۱۔

کتابیات:

۱۔ **آصف نواز (ترتیب و انتخاب)**، پریم چند کے سو افسانے، چوہدری اکیڈمی، لاہور، سن ندارد۔

۲۔ **انوار احمد، ڈاکٹر**، *اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ*، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء۔

۳۔ **اورنگ زیب عالم گیر، ڈاکٹر**، *پریم چند: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ*، سنگت پبلیشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

۴۔ **حنفی، شمیم**، "پریم چند کی حقیقت نگاری"، مشمولہ: مشرف احمد (مرتب)، *پریم چند کا تنقیدی مطالعہ*، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۶ء۔

۵۔ **ظہیر الحسن جارچوی، پروفیسر**، "پریم چند افسانہ نگاری کا امام"، *الماس* (سوم و چہارم مشترکہ شمارہ)، ۲۰۰۱ء–۲۰۰۲ء۔

۶۔ **فرزانہ گل**، *پریم چند بحیثیت افسانہ نگار*، غیر مطبوعہ ایم اے مقالہ، مخزونہ سیمینار لائبریری، شعبہ اردو، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۱۹۷۹ء۔